# 31

# مومن کو ترقیات کی خبر سن کر قربانی میں پہلے سے زیادہ ترقی کرنی چاہیئے

(فرمودہ 31 دسمبر 1943ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"پیشتر اس کے کہ مَیں خطبۂ جمعہ کا اصل مضمون شروع کر دوں مَیں توجہ دلاتا ہوں ناظمینِ جلسہ کو کہ انہوں نے عورتوں کے لئے پردہ کا کوئی انتظام نہیں کیا اور یہ ایک نہایت ہی معیوب بات ہے۔ جبکہ اسلام اس امر کو پسند فرماتا ہے کہ جن مجالس میں وعظ و نصیحت ہؤا کرے ان مجالس میں عورتیں ضرور جایا کریں تو ان کے لئے انتظام بھول جانا نہایت حیرت انگیز ہے۔ عورتوں کا اس طرح بغیر کسی انتظام کے باہر بیٹھنا طبیعت پر نہایت گراں گزرتا ہے۔ اور ہر لحہ ایسے وقت کا ہمارے لئے ایک تنبیہہ ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے فرض کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے عورت کے لئے جس قسم کا پردہ رکھا ہے وہ برقع یا چادر سے پورا ہو جاتا ہے مگر باوجود اس کے عورتوں کی طبیعت میں جو حیا ہوتی ہے اور جس قسم کی حیا اسلام پیدا کرتا ہے وہ پسند نہیں کرتی کہ بلا طبعی ضرورت کے برقع میں بھی عورت اس طرح سامنے بیٹھی ہوئی ہو۔ یہی وجہ ہے قرآن کریم نے عورتوں سے مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ 1 باتیں

کرنے کا حکم دیا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ پردہ میں ہوں عام حالات میں اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ ایک پردہ لٹکا ہوُا ہو جس کے پیچھے بیٹھ کر مرد باتیں کریں یا وعظ وغیرہ کریں۔ مجبوری کی بات اور ہوتی ہے مگر اب خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو ایسے سامان عطا فرمائے ہوئے ہیں کہ ہم آسانی سے اس بات کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اور جس بات کا ہم انتظام کر سکتے ہوں اس کو نہ کرنا افسوسناک ہوتا ہے۔

اس کے بعد میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے جلسہ کے کام سے ہم کو بخیر وخوبی فارغ فرمایا۔ جیسا کہ احباب کو معلوم ہے پہلے دن دعا کے موقع پر جب میں کھڑا ہوُا تو میری صحت ایسی تھی کہ مَیں سمجھتا تھا جلسہ میں مَیں پوری طرح تقریریں نہیں کر سکوں گا اور ضعف کی حالت تو ایسی تھی کہ میرے لئے بولنا تو الگ رہا خالی کھڑا رہنا بھی دُوبھر تھا۔ مگر بجائے اس کے کہ جلسہ کے کام کی وجہ سے مجھے تکلیف محسوس ہوتی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے ایسی طاقت عطا فرما دی کہ مَیں جلسہ کے تمام کاموں میں پوری طرح حصہ لے سکا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گزشتہ سالوں کی نسبت کام میں کسی قدر کمی کر دی گئی تھی مگر پھر بھی آٹھ، دس بلکہ بارہ گھنٹہ مجھے ان ایام میں روزانہ کام کرنا پڑا۔ ملاقاتیں ہی تین سوا تین گھنٹے تک ہوتی رہتی تھیں اور عورتوں کی بیعتیں شامل کر کے تو پانچ گھنٹے اس میں صرف ہو جاتے تھے۔ پھر نمازوں کے لئے آنا اور دوستوں سے مصافحہ کرنا الگ تھا۔ اس طرح روزانہ آٹھ نو گھنٹے کا کام ہو جاتا تھا مگر بجائے اس کے کہ اتنا بڑا کام میرے اعصاب پر کوئی بُرا اثر ڈالتا مَیں نے محسوس کیا کہ بجائے کمزور ہونے کے میرے جسم میں زیادہ طاقت آتی جاتی ہے اور آخری دن تو سوائے آواز کے بھرّا جانے کے مجھے کوئی ایسی کمزوری محسوس نہیں ہوتی تھی۔ جس سے مَیں یہ سمجھتا کہ مَیں اپنے فرض کو ادا نہیں کر سکوں گا۔ بلکہ آخری تقریر میں میرا دل مجھے یہ لالچ دلا رہا تھا کہ میں اپنی تقریر کو مکمل کر لوں اور میں سمجھتا تھا اگر گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی میں چار پانچ گھنٹے تقریر کر لوں تو یہ کوئی ایسا بوجھ نہ ہو گا جو میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جو نازل ہوُا۔ ورنہ جو عام قانون ہے اس کے لحاظ سے اگر ایک کمزور اور بیمار آدمی محنت و مشقت کا کام کرے تو وہ اور زیادہ کمزور اور زیادہ بیمار ہو جاتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا

خاص قانون ہی ہو سکتا ہے اور اس کا خاص قانون ہی تھا کہ ایک بیمار آدمی نے جب اپنی بیماری کی حالت میں محنت کی اور ایک کمزور آدمی نے جب اپنی کمزوری کی حالت میں مشقت برداشت کی تو بجائے اس کے کہ وہ اور زیادہ بیمار اور زیادہ کمزور ہوتا وہ اپنے اندر پہلے سے زیادہ طاقت اور قوت محسوس کرنے لگ گیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اسی قسم کے انعامات ہی ہیں جو ہمارے دلوں میں اس کی محبت کا زیادہ سے زیادہ یقین پیدا کرتے ہیں اور ہم اس کے اتنے قریب ہو جاتے ہیں کہ انبیاء کے برابر ہونے کا دعویٰ تو ہم نہیں کرتے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے نتیجہ میں ایسا یقین ہمارے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے کہ دنیا کا کوئی ابتلاء، دنیا کی کوئی ٹھوکر، دنیا کی کوئی مصیبت، دنیا کا کوئی خطرہ اور دنیا کی کوئی دھمکی ہمارے ایمان میں تذبذب پیدا نہیں کر سکتی۔ بلکہ ہمارا یقین اور وثوق ان دھمکیوں، ان مصیبتوں اور ان خطرات سے اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور ہم ایمان کے جس درجہ پر ہوتے ہیں ان خطرات، دھمکیوں اور مصیبتوں کے بعد ایمان کے اس سے اوپر کے درجہ میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

میں نے جلسہ سے دو چار دن پہلے ایک رؤیا دیکھا تھا جس میں مجھے اپنی جماعت کا ایک نوجوان نظر آیا۔ وہ نوجوان مجھے ملا اور میں نے اس سے کہا کہ میں نے ایسا رؤیا دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگا مَیں تو آ گیا ہوں۔ میں نے کہا اس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے یقیناً کچھ اور مراد ہے۔ مَیں جس وقت لاہور سے قادیان آنے لگا ہوں تو مَیں اپنی طبیعت پر یہ بوجھ محسوس کر رہا تھا کہ مَیں کس طرح جلسہ کے کام کا بار اٹھا سکوں گا۔ اسی طرح میری طبیعت پر اس امر کی وجہ سے بھی بڑا بوجھ تھا کہ جبکہ پہلے قادیان آنے کے لئے چار پانچ گاڑیاں چلتی تھیں اور پھر بھی مسافر ان میں سما نہیں سکتے تھے۔ تو اب صرف دو گاڑیوں کی وجہ سے کس قدر شدید تکلیف ہماری جماعت کے دوستوں کو برداشت کرنی پڑے گی۔ اسی اثنا میں مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ہماری جماعت کے ایک نوجوان جو پہلے قادیان میں ہی پڑھا کرتے تھے اور جن کا نام عبدالحمید ہے آئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ تم کہاں؟ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ یہ دوست جلسہ سالانہ پر ہمیشہ آیا کرتے ہیں۔ اس سال بھی جب آئے اور مجھے ملے تو مَیں نے انہیں بتایا کہ میں نے اس طرح رؤیا دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگے مَیں تو آ گیا ہوں۔

میں نے کہا اس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی۔ آپ تو ہمیشہ ہی آیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ عام حالات میں نظر آنے والا کوئی ایسا شخص ہی ہو سکتا ہے جس سے خاص واقفیت ہو۔ وہ نوجوان قادیان میں پڑھتے رہے ہیں اور ان کے والد بھی مخلص ہیں مگر پھر بھی ان کا یا ان کے والد کا مجھ سے ایسا گہرا تعلق نہیں کہ وہ نوجوان مجھے یونہی خواب میں نظر آ جائے۔ اور اب تو کبھی سال دو سال میں ایک دفعہ انہیں دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ بہرحال مَیں اس رؤیا سے یہ سمجھتا تھا کہ خداتعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا فعل صادر ہو گا جس کی بناء پر اس کی حمد کرنے کی ہمارے دلوں میں تحریک پیدا ہو گی۔ حمید کے معنے ہیں وہ خدا جو سچی حمدوں کا مالک ہے اور جس کی تمام دنیا تعریف کرتی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لو کہ وہ خدا جس کے انعامات کو دیکھ کر لوگ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 2 کہنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ پس عبدالحمید کے معنے یہ ہوئے کہ وہ بندہ جو خدا کی حمد کرتا ہے اور حمد خدا کے کسی عظیم الشان انعام پر ہؤا کرتی ہے۔ پس میں سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم پر کوئی ایسا انعام نازل کرنے والا ہے کہ ہمارے دل اس کے شکر کے جذبات سے اور زیادہ بھر جائیں گے اور جس طرح اس کے اَن گنت انعامات اور اَن گنت نشانات ہم پہلے دیکھ چکے ہیں اسی طرح اس کا کوئی اور انعام یا کوئی اور نشان عنقریب دیکھنے والے ہیں۔ سو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ ایسا ہی ہؤا۔

اب مَیں احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ موجودہ سال آج کی تاریخ کو ختم ہو جائے گا اور گزشتہ سال کہلانے لگ جائے گا۔ اور اس کے بعد ایک نیا سال ہم پر چڑھے گا۔ چونکہ اس نئے سال کے جمعہ کا موقع سات دنوں کے بعد آئے گا اور اس لئے بھی کہ مَیں کل اِنْشَاءَ اللّٰهُ اپنی بیوی کی علالت کی وجہ سے لاہور جا رہا ہوں۔ ممکن ہے اگلے جمعہ کا دن مَیں لاہور میں ہی گزاروں۔ اور اس طرح قادیان میں خطبہ پڑھنے کا موقع نہ ملے۔ اس لئے مَیں ابھی سے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں اگلے سال اپنے اندر خاص تبدیلی پیدا کرنی چاہیئے۔ گزشتہ سال کئی مبارک اور اہم دن، ایسے دن جن کا ہماری زندگیوں پر گہرا اثر پڑتا تھا جمعہ کے دن آئے تھے اور مَیں نے بتایا تھا کہ ان اہم ایام کا جمعہ کے دن آنا بے حکمت نہیں۔ جمعہ کے دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ اور اس وجہ سے

گزشتہ سال اپنے اندر ایسا بیج رکھتا تھا جس سے اسلام کی آئندہ ترقیات کا پودا پھوٹنے والا ہے۔ اسی دوران میں اللہ تعالیٰ نے بعض نشانات اور حالات ایسے ظاہر فرمائے جن سے میرے اس خیال کی زیادہ سے زیادہ تصدیق ہو گئی۔ اب آئندہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے 1944ء اور 1945ء اس بیج کے ماحول کو درست کرنے اور اس کے اثرات کو بڑھانے کے لئے خصوصیت رکھتے ہیں۔ مَیں ابھی ان امور کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا۔ جب یہ امور کھلیں گے اس وقت دنیا کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض عظیم الشان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا نظارہ نظر آنے لگ جائے گا مگر ہر چیز اپنے وقت پر کھلتی ہے۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ ان امور کا اپنے بندوں کو بھی علم نہیں دیتا جن کو اس نے کام پر مقرر کیا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ علم تو دے دیتا ہے مگر ان کے دل میں تحریک پیدا نہیں کرتا کہ وہ اس کو ظاہر کریں۔ اور بعض دفعہ علم تو دے دیتا ہے مگر ساتھ ہی منع کر دیتا ہے کہ ابھی ان باتوں کو ظاہر نہ کریں۔ پس جب وقت آئے گا اور بات کھل جائے گی اس وقت اللہ تعالیٰ کے بعض عظیم الشان نشانات سے مومنوں کے ایمانوں میں بہت زیادتی ہو گی۔ لیکن اس حقیقت سے کسی صورت میں بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام ہم سے ایک بہت بڑی قربانی چاہتا ہے۔ اگر ہماری جماعت اس قسم کی پیشگوئیوں کو دیکھ کر یہ سمجھ لے کہ اب ہمیں آرام سے بیٹھنے کا موقع مل جائے گا تو یہ اس کی شدید ترین غلطی ہو گی۔ میں نے دیکھا ہے جماعت میں چونکہ ایک حصہ کمزور لوگوں کا ہوتا ہے اور کچھ ایسے لوگ بھی جماعت میں شامل ہوتے ہیں جنہیں دین کی پوری واقفیت نہیں ہوتی اس لئے جب بھی اس قسم کی کوئی خبر دی جاتی ہے یا کوئی ایسا نشان ظاہر ہوتا ہے جس سے اسلام کی ترقی ہوتی یا اس کی ترقی کا امکان پیدا ہوتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں اب تو ہمیں ترقی حاصل ہو گئی۔ اب قربانیوں کی کیا ضرورت ہے۔ جس دن کسی قوم میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اسے قربانیوں کی ضرورت نہیں رہی اسی دن وہ تباہی اور بربادی کے راستہ پر چل پڑتی ہے۔ یاد رکھو کوئی وقت ہم پر ایسا نہیں آسکتا جب ہمیں دین کے لئے قربانیوں کی ضرورت نہ رہے۔ اگر دنیا کا ہر شخص مسلمان ہو جائے، اگر دنیا کا ہر شخص احمدی ہو جائے، اگر دنیا کا ہر شخص خدا پرست ہو جائے، اگر دنیا کا

ہر شخص محبوبِ الٰہی ہو جائے تب بھی محنت اور قربانی کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا۔ حقیقی عشق تو چاہتا ہی قربانی ہے۔ کوئی عشق نہیں ہو سکتا جس میں قربانی کا مادہ نہ پایا جائے اور کوئی عشق نہیں ہو سکتا جس میں قربانی کا مادہ ہمیشہ بڑھتا نہ رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے جو عشق تھا اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابیاں دیں ہمیں ان کا عُشرِ عشیر بھی حاصل نہیں ہؤا۔ آپ ایسے وقت میں فوت ہوئے جب اس ملک پر آپ کا قبضہ ہو چکا تھا جس میں آپ پیدا ہوئے اور وہ قوم آپ کی غلامی میں داخل ہو چکی تھی جس کی طرف آپ مبعوث ہوئے۔ شریعت کے نفاذ کا پورا حق اور تصرف آپ کو حاصل ہو گیا تھا اور قرآن کریم کے پڑھنے اور پڑھانے اور اس پر عمل کرنے اور کرانے کے لئے جتنے سامانوں کی ضرورت تھی وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما دیئے تھے۔ ایسے خدام بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما دیئے جو اپنی جانیں قربان کر کے قرآن کریم کی اشاعت میں حصہ لیتے رہے۔ اور اس کے احکام پر عمل کرتے اور دوسروں سے عمل کراتے رہے۔ مگر باوجود اس کے دیکھو کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی بھی دن ایسا آیا جب آپ نے قربانی نہ کی ہو۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے ہو گئے۔ تب بھی آپ عبادت کے لئے جب رات کو اٹھتے تو اتنی عبادت کرتے اور اس قدر گریہ وزاری سے کام لیتے کہ کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سوج جاتے۔ حضرت عائشہؓ روزانہ یہ نظارہ دیکھتیں اور دل ہی دل میں کڑھتیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ آخر ایک دن ان سے برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل نازل نہیں کر دیا۔ اور کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی تمام بشری کمزوریوں کے پورا کرنے کے سامان نہیں کر دیئے۔ پھر آپ کیوں اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔3 عائشہؓ تو کہتی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل کئے پھر کیا تو چاہتی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا شکریہ ادا نہ کروں۔ فرمایا عبادت تو لازمی نتیجہ ہے ان فضلوں کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے اور جس کو تو قربانی کہتی ہے وہ تو ایک پھل ہے اس بیج کا جسے اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کی صورت میں ظاہر فرما دیا۔

وہ شخص جسے اس کی قربانیوں کا پھل نہ ملا جس نے کوششیں کیں مگر ان کا کوئی نتیجہ اس نے نہ دیکھا وہ شخص اگر عبادت میں سستی کر جائے تو غلطی میں مبتلا سمجھا جا سکتا ہے مگر وہ جس نے دیکھا کہ اس پر فضل نازل ہوئے، جس نے دیکھا کہ ہر قسم کی بدنامی اور الزام سے اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا، جس نے دیکھا کہ اسے زمین سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ نے عرشِ بریں تک پہنچا دیا، جس نے دیکھا کہ ایک مُشتِ خاک کو اس نے اپنے پیاروں میں شامل کر لیا وہ اگر قربانی نہیں کرے گا تو اَور کون کرے گا۔ پس مت خیال کرو کہ جب کوئی ترقی کی پیشگوئی پوری ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشان ظاہر ہو تو اس کے بعد تمہیں قربانیوں کی ضرورت نہیں رہ سکتی۔ کسی پیشگوئی یا نشان کا پورا ہونا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ایک بیج بویا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر تم یہ سمجھ لو کہ اب تمہیں قربانی اور محنت کی ضرورت نہیں یا تمہارے دل میں موت سے پہلے کسی وقت بھی یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تمہارے ایمان میں کمزوری پیدا ہو چکی ہے اور کسی خفیہ بد عملی نے تمہاری اس طاقتِ ایمان کو سلب کر لیا ہے جو تمہارے اندر پائی جاتی تھی۔ ورنہ ایک مومن تو جب یہ سنتا ہے کہ اسے خدا تعالیٰ نے کوئی کامیابی دی ہے یا برکت دی ہے یا ترقی دی ہے تو وہ قربانی میں اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صحابی تھے۔ قرآن کریم میں ان کا خاص طور پر ذکر آتا ہے۔ وہ کسی غفلت کی وجہ سے ایک عظیم الشان جنگ میں شامل ہونے سے رہ گئے۔ جس کا خدا تعالیٰ کے خاص منشاء کے ماتحت ارادہ کیا گیا تھا۔ اور جو اپنے اندر بہت بڑی برکات رکھتی تھی۔ چنانچہ منافقوں کی تباہی اسی جنگ کے نتیجہ میں ہوئی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے واپس آئے تو منافقوں نے آ آ کر معذرتیں کرنی شروع کر دیں کہ ہم اس اس وجہ سے شامل نہیں ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے، ان کے لئے دعا کرتے اور وہ واپس چلے آتے۔ یہ تین صحابی جو اس جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک کے پاس ان کا ایک دوست گیا۔ انہوں نے پوچھا کیا ہو رہا ہے۔ اس نے کہا معاملہ تو سہولت سے طے ہو رہا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں یا رسول اللہ! اس وجہ سے غلطی ہو گئی اور آپؐ کہتے ہیں آؤ میں تمہارے لئے استغفار کروں۔ چنانچہ آپ ہاتھ اٹھاتے اور دعا کرتے ہیں اور وہ خوش خوش

واپس چلے جاتے ہیں۔ تم بھی رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس جا کر معذرت کر دو تا کہ ناراضگی سے بچ جاؤ۔ اس صحابی کا بیان ہے کہ مَیں نے کہا اچھا ہؤا کہ معاملہ اس طرح آسانی سے طے ہو رہا ہے مگر معاً مجھے خیال آیا کہ جن کا اس دوست نے ذکر کیا ہے وہ تو سب منافق ہیں۔ مَیں نے اس سے کہا تم یہ بتاؤ کہ فلاں فلاں شخص جن کو میں مومن سمجھتا ہوں کیا وہ بھی آئے تھے؟ اس نے کہا ہاں آئے تھے۔ میں نے پوچھا تو پھر انہوں نے کیا کہا؟ وہ کہنے لگا انہوں نے تو کہا ہے کہ یا رسول اللہ ہمارا قصور تھا کہ ہم پیچھے رہ گئے۔ اور رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور خدا کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ اس پر میں نے کہا معافی مجھے ملے یا نہ ملے میں وہ کام تو ہرگز نہیں کروں گا جو منافقوں نے کیا ہے۔ چنانچہ یہ گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! سارے سامان میسر تھے۔ میرا گناہ تھا کہ میں شامل نہ ہؤا اور سستی کی وجہ سے ثواب کے اس عظیم الشان موقع سے محروم رہا۔ رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ دوسرے دن اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت آپؐ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ان تینوں سے کوئی شخص کلام نہ کرے اور نہ ان سے کسی قسم کا تعلق رکھے۔ وہ کہتے ہیں رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس حکم کے نتیجہ میں ہم سے کلام سلام بند ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ان کے بیوی بچے بھی ان سے الگ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ بھی الگ ہو گئے۔ چند دن گزرے تو میری بیوی نے مجھے کہا کہ فلاں صحابی نے رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے خواہش کی تھی کہ میں بوڑھا اور کمزور ہوں میری بیوی کو میری خدمت کرنے کی اجازت دی جائے اور رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو اجازت دے دی ہے تم بھی جاؤ اور رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں درخواست کرو کہ میری بیوی کو میری خدمت کرنے کا موقع دیا جائے۔ میں نے اس سے کہا یہ شیطان کا وسوسہ ہے۔ وہ تو بڈھا ہے اور اسے بیوی کی خدمت کی ضرورت ہے۔ میں جوان ہوں مجھے خدمت کی کیا ضرورت ہے۔ پس میں نے اس سے صاف کہہ دیا کہ میں کوئی ایسا کام کرنے کے لئے تیار نہیں جس سے مجھے سزا میں کمی محسوس ہو۔ مگر وہ کہتے ہیں باوجود اس جذبہ کے میرے دل میں یہ درد تھا کہ لوگ کہیں مجھے بھی منافقوں میں شامل نہ سمجھ لیں۔ ان کے ایک دوست تھے جو رشتہ میں بھائی بھی تھے۔ یہ دونوں ہمیشہ اکٹھے رہتے

اور اکٹھے ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں جب میں اس کو دیکھتا کہ نہ صرف وہ مجھ سے کلام نہ کرتا بلکہ اس کی آنکھوں میں محبت اور پیار کا نشان مجھے نظر نہ آتا تو میرے دل کو سخت دکھ محسوس ہوتا۔ ایک دفعہ وہ اپنے باغ میں کام کر رہا تھا کہ مَیں اس کے پاس گیا اور میں نے اسے کہا تم کو پتہ ہے کہ مَیں منافق نہیں اور تم کو پتہ ہے کہ یہ خطا جو مجھ سے ہوئی اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام کے لئے قربانی کا مادہ میرے اندر نہیں پایا جاتا۔ یہ ایک قصور ہے جو سُستی کی وجہ سے مجھ سے سرزد ہو گیا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے پھر اسے توجہ دلائی۔ مگر اس نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ پھر توجہ دلائی مگر پھر کوئی جواب نہ دیا۔ آخر چوتھی بار مَیں نے توجہ دلائی تو اس نے بغیر میری طرف دیکھنے کے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا اور کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس کا مجھے اتنا صدمہ ہؤا، اتنا صدمہ ہؤا کہ شدتِ غم کی وجہ سے باغ کا رستہ بھی مجھے نہ ملا اور مَیں دیوار پھاند کر پاگلوں کی طرح شہر کی طرف چل پڑا۔ رستہ میں مجھے ایک شخص ملا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم فلاں شخص ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے ایک خط نکالا جو ایک ہمسایہ بادشاہ کا تھا اور جو میرے نام لکھا ہؤا تھا اُس چٹھی کا مضمون یہ تھا کہ تم عرب کے رئیس ہو اور تمہاری لوگوں کے دلوں میں بہت بڑی عزت ہے مگر ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر لکھا تھا کہ وہ نہیں جانتا شریفوں کی کس طرح قدر کیا کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ اس نے تمہیں سزا دی ہے۔ تم میرے پاس چلے آؤ میں ہر طرح تمہارا اعزاز و اکرام کروں گا اور تمہاری شان کے مطابق تم سے سلوک کروں گا۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے جب اس خط کو پڑھا تو سمجھا کہ یہ شیطان کی آخری تدبیر ہے۔ چنانچہ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ میرے ساتھ آ جاؤ۔ آگے تنور جل رہا تھا۔ میں نے وہ خط اس تنور میں ڈال دیا۔ اور اسے کہا جاؤ اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ یہ تمہارے خط کا جواب ہے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اور تو سب چیزیں برداشت ہو جاتی تھیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی برداشت کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ میرا کام یہ تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر آتے تو مَیں آپ کی مجلس میں پہنچتا اور زور سے کہتا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ پھر مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگ جاتا کہ آیا آپ کے ہونٹ جواب میں

ملے ہیں یا نہیں۔ مگر وہ تو خدا کا حکم تھا کہ ان لوگوں سے تعلق نہ رکھا جائے۔ اس خدائی حکم کے بعد رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہونٹ بھلا کس طرح ہل سکتے تھے۔ وہ کہتے ہیں جب مَیں دیکھتا کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہونٹ نہیں ہلے۔ تو مجھے ایک جنون کا سا دورہ ہوتا اور مَیں اٹھ کر باہر چلا جاتا اور دل میں کہتا رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو بڑے مہربان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے میرے سلام کی آواز نہیں سنی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں پھر مجلس میں آتا اور کہتا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ۔ اور پھر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہونٹوں کی طرف دیکھتا۔ مگر جب وہ مجھے ہلتے نظر نہ آتے تو تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر باہر چلا جاتا اور کہتا رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو بڑے شفیق ہیں یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ سلام کی آواز سنیں اور جواب نہ دیں۔ چنانچہ میں پھر باہر جاتا اور پھر واپس آکر اسی طرح اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتا۔ اور روزانہ ایسا ہی کیا کرتا لیکن رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کبھی سلام کا جواب نہ دیتے مگر وہ کہتے ہیں کبھی کبھی یکدم رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو آپؐ کی نگاہ مجھ پر نہایت شفقت سے پڑ رہی ہوتی تھی۔ اس سے میرے دل کو تسلی ہو جاتی تھی۔ آخری دن میں اپنے گھر میں لیٹا ہوا تھا کہ مجھے زور سے ایک شخص کی آواز سنائی دی کہ اے مالک تمہارا گناہ خدا نے بخش دیا۔ وہ کہتے ہیں مَیں باہر آیا تو ایک شخص گھوڑا دوڑاتے ہوئے میرے پاس پہنچا اور اس نے کہا کہ آج نمازِ صبح کے بعد رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ تینوں کو خدا نے معاف کر دیا۔ (یہ نماز پڑھ کر جلدی آ گئے تھے) تب ایک شخص گھوڑے پر چڑھ کر یہ خبر دینے کے لئے دوڑ پڑا۔ مگر دوسرے نے زیادہ ہوشیاری سے کام لیا اور اس نے ایک اونچی جگہ پر چڑھ کر آواز دے دی کہ اے مالک خدا نے تجھے معاف کر دیا۔ اس پر انہوں نے کپڑوں کا ایک جوڑا قرض لیا اور جس شخص نے انہیں سب سے پہلے یہ خوشخبری سنائی تھی انہیں تحفہ کے طور پر دے دیا اور کہا مَیں نے یہ منت مانی ہوئی تھی کہ جو شخص میری معافی کی خبر مجھے سب سے پہلے سنائے گا اسے ایک جوڑا تحفہ کے طور پر دوں گا۔ وہ خود چونکہ مالدار تھے اس لئے انہوں نے کہا مَیں جو مانگ کر تمہیں یہ جوڑا دے رہا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ مَیں نے نیت کر لی تھی کہ جب خدا مجھ پر فضل کرے گا اور مجھے معافی مل جائے گی اُس وقت میں اپنی ساری جائداد خدا کے رستہ میں دے دوں گا۔ چنانچہ اب

میرے پاس کچھ نہیں۔ سب جائداد مَیں نے خدا تعالیٰ کو دے دی ہے۔

تو دیکھو مومن فضلوں کے وقت بجائے قربانی کم کرنے کے قربانیوں کے میدان میں اَور بھی بڑھ جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ جب تک رسول کریم ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے تکلیف رہی قربانی کی نیت رکھی اور جب معافی مل گئی اور آرام اور سکون حاصل ہو گیا تو قربانی کو فراموش کر دیا بلکہ جب انہیں معافی ملی انہوں نے اپنی ساری جائداد خدا تعالیٰ کے رستہ میں دے دی۔

تو مومن کو ترقیات کی خبریں سن کر کبھی سست نہیں ہونا چاہیئے بلکہ قربانی میں پہلے سے زیادہ بڑھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا ہی اسی لئے کیا ہے۔ دیکھو رسول کریم ﷺ سے بڑھ کر اور کون محنتی ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں آپؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۔4 اب تمہاری محنت کے دن ختم ہو گئے ہم نے تمہارے بوجھ تم سے دور کر دیئے اور کامیابیاں تمہیں عطا فرما دیں۔۔ پس اب جبکہ تم فارغ ہو گئے ہو تو خوب محنت کرو۔ اگر فراغت کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ کام نہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کہا جاتا کہ اب تم خوب سوؤ کیونکہ کام ختم ہو گیا مگر یہ نہیں فرماتا بلکہ فرماتا یہ ہے کہ خوب محنت کرو۔ گویا مومن کی مثال مدرسہ کے اس طالبعلم کی سی ہوتی ہے جو چھٹی جماعت پاس کر لیتا ہے تو ساتویں جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ ساتویں پاس کر لیتا ہے تو آٹھویں میں داخل ہو جاتا ہے۔ آٹھویں پاس کر لیتا ہے تو نویں میں داخل ہو جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بندوں کے علم محدود ہوتے ہیں۔ اس لے چودہ یا سولہ سال کے بعد وہ کہتے ہیں ہم نے تمہیں جتنا پڑھانا تھا پڑھا دیا مگر اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ غیر محدود ہے اس لئے مومن اس جہان میں بھی کام کرتا چلا جاتا ہے اور اگلے جہان میں بھی کام کرتا چلا جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کامیابیوں پر یقین رکھو مگر دل میں یہ ارادہ کر لو کہ جب وہ کامیابیاں تمہیں حاصل ہوں گی۔ تم سست نہ ہو گے، غافل نہ ہو گے بلکہ پہلے سے زیادہ قربانیاں کرتے چلے جاؤ گے۔ تا اللہ تعالیٰ تمہاری موت کے وقت تم سے خوش ہو اور اگلے جہان میں تمہیں وہ مقام عطا کرے جس پر چل کر ہمیشہ تمہارا قدم

ترقیات کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔"

دوسرے خطبہ میں فرمایا:

"مَیں کل اِنْشَاءَ اللّٰہُ لاہور جاؤں گا۔ مَیں سمجھتا ہوں اُمِّ طاہر بھی آپ لوگوں کی دعاؤں کی اس لئے مستحق ہیں کہ باوجود تکلیف کے اور باوجود اس بات کے کہ آپریشن کا موقع قریب تھا انہوں نے مجھے آنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ فون کیا کہ آپ دو دن اور ٹھہر جائیں تا کہ جلسہ کے کام سے فارغ ہو کر آ سکیں۔ ڈاکٹری رپورٹ ابھی تک یہی ہے کہ جہاں تک انسانی عقل کا سوال ہے آپریشن کرانا ضروری ہو گا۔ مگر میرے جانے پر ہی اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ غیر معمولی طور پر کوئی اور سامان پیدا فرما دے۔ بہر حال مَیں کل لاہور جاؤں گا اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں سے کب واپس آنے کا موقع ملے۔"

(الفضل 5 اپریل 1944ء)

---

1 : الاحزاب: 54

2 : الفاتحۃ: 2

3 : صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین واحکامھم باب اکثار الاعمال والاجتھاد فی العبادۃ میں "اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا" کے الفاظ ہیں۔

4 : الانشراح: 8